خواب سے حقیقت تک

کئی روز سے میں اور میرے شوہر سیر سپاٹے کے موزوں مقام کے لئے باہم مشاورت میں مصروف تھے۔ آصف اسلامی اقتصادیات میں انگلستان کی ایک یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں۔ ہماری ازدواجی زندگی کو ماشاء اللہ ایک برس بیتنے کو تھا اور ہم شادی کی سالگرہ کو بدرجہ اتم یادگار بنانے کا عزم رکھتے تھے۔ کافی دنوں کے غور وخوص کے بعد ہم دونوں لندن کی سیر کو آمادہ ہوئے۔ مجھے انگلینڈ کی سرزمین پر قدم رکھے ہوئے تقریباً چھ ماہ گزر چکے تھے تاہم ابھی تک لندن کو ہماری گاڑی سے اڑتی گرد اور ہمارے قہقہے سننے کا موقع یکسر میسر نہ آسکا تھا۔ آجکل میں اور آصف بریڈ فورڈ میں مقیم ہیں جو لندن سے کم وبیش ۵ گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے۔

غرض جب ہم دونوں نے اپنے اپنے ووٹ لندن کے حق میں ڈال دیئے تو وہاں رہائش کے لئے ہوٹل، طعام کے لئے ریسٹورنٹ اور تفریح کے لئے مقامات کی فہرست بنانے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی۔ یہ تلاش قیام وطعام بمعہ تفریحی مقامات مجھ ناچیز کو انٹرنیٹ کے وسیع جہاں کے ذریعے کرنا تھی۔ گھر کے کام کاج سے فراغت کے بعد میں تقریباً روز یا کئی مرتبہ دن میں دو دو تین تین بار اس انٹرنیٹ کی سرزمین میں اپنے گھوڑے دوڑاتی۔ کئی مرتبہ جب مرضی کے مطابق کوئی چیز نظر آتی تو اس کو کمپیوٹر میں ہی محفوظ کر لیتی تاکہ آصف کو دکھا کر حتمی فیصلے پر پہنچا جا سکے۔ یہ کام کم وبیش ہفتے بھر جاری رہا اور بالآخر لندن میں ہوٹل کی معلومات اور تفریحی مقامات کی جگہیں بھی باہمی مشاورت سے طے پا گئیں۔

ایک روز آصف نے مجھے اسکاٹ لینڈ کے دارالحکومت ایڈنبرا سے بریڈ فورڈ اور گلاسگو سے بریڈ فورڈ کی درمیانی مسافت انٹرنیٹ سے معلوم کرنے کو کہا اسکاٹ لینڈ چونکہ دوسرا ملک ہے تو یوں سمجھئے کہ اس کے ذکر نے ہی لندن کے سفر پر غلبہ حاصل کر لیا۔ میں نے اسی روز جب فاصلہ دیکھا تو دونوں کا فاصلہ لندن کے فاصلے سے قدرے کم نکلا۔ اب تو جیسے اسکاٹ لینڈ مجھے اور آصف کو شادی کی سالگرہ منانے کیلئے اپنی طرف کھینچنے لگا اور ہم بھی خوشی خوشی کھنچتے رہے۔

ایک بار پھر میں اور میرا کمپیوٹر ایک دوسرے کے روبرو موجود تھے اور میں پھر گھوڑے کی باگیں تھامے لاتعداد ویب سائٹس کی سیر کرنے میں مشغول ہوگئی۔ آصف کو قبل از شادی یورپ کے ویزے کے حصول کے لئے ایڈنبرا بذریعہ ٹرین جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ انہوں نے نہ صرف ایڈنبرا کو سرسری طور پر دیکھا ہوا تھا بلکہ وہاں کے تاریخی قلعے کے بارے میں بھی سن رکھا تھا۔ چنانچہ عالمی سرچ انجن گوگل کی مدد سے

ہم نے اسکاٹ لینڈ کے دو مشہور شہروں ایڈنبرا اور گلاسگو کی خوبصورتی کا تصویری موازنہ کیا ۔ دونوں ہی شہر اپنی مثال آپ تھے مگر ایڈنبرا ساحلِ سمندر پر ہونے کی وجہ سے گلاسگو پر بازی لے گیا۔ جن دنوں آصف ایڈنبرا گئے تھے وہ ماہِ دسمبر تھا جس کی وجہ سے راستے میں موجود پہاڑی سلسلے اور چوٹیاں، میدان اور بلندو بالا عمارتیں غرضیکہ ہر چیز برف کی سفید چادر اوڑھے ہوئے تھی ۔ دوسری وجہ انتخاب بلا شک وشبہ گلاسگو کے مقابلے میں ایڈنبرا اور بریڈ فورڈ کی درمیانی مسافت کا کم ہونا تھا۔ شہر کے انتخاب کے بعد اگلہ مرحلہ قیام و طعام اور تفریح کے مراکز کی تلاش تھی ۔ اس لئے میں نے جو تلاش لندن کے مقامات کے ضمن میں کی تھی اس تلاش کو اب ایڈنبرا کے حوالے سے کرنے کا آغاز کر دیا۔

چلئے پہلے بات کرتے ہیں مراکزِ قیام کے بارے میں ۔ انٹرنیٹ پر باآسانی ایسی بے شمار ویب سائٹس مل جاتی ہیں جہاں قیمت، شہر کے خاص حصے، ایک تا پانچ ستاروں وغیرہ کے لحاظ سے ہوٹلوں کی لسٹ کھل جاتی ہے ۔ نہ صرف اس ہوٹل کے بارے میں بنیادی معلومات موجود ہوتی ہیں بلکہ وہاں رہنے والوں کے لئے دیگر سہولیات اور جو وہاں رہ چکے ہوتے ہیں ان کے تبصرے بھی موجود ہوتے ہیں ۔ تصویری البم بھی ہوٹل کی خوبصورتی، جدت اور صفائی کے بارے میں واضح آگاہی دینے میں مدد کرتی ہے ۔ کئی مرتبہ ہوٹل کی تصویر کشی انتہائی خوبصورتی سے کئی گئی ہوتی ہے اور اس کی قیمت بھی انتہائی مناسب ہوتی ہے مگر وہاں رہ کر آزمالینے والے ان کے کسٹمرز کی آراء آپ کی رائے پر بھی باآسانی اثر انداز ہو جاتی ہیں ۔ کئی ہوٹلوں کی خصوصیات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بالآخر میں نے دو تین ہوٹل منتخب کئے جو ہر لحاظ سے بہترین تھے ۔ ان کی سرسری معلومات میں نے کمپیوٹر میں محفوظ کر لیں ۔ اب اگلا مرحلہ حلال ریستوران کا انتخاب تھا جو بڑی آسانی سے مکمل ہو گیا۔ میں نے دو take aways کی تفصیلات محفوظ کر لیں ۔

اگلا کام تفریحی مقامات کی نشاندہی بمعہ تفصیلات ڈھونڈنا تھا۔ ہم نے ایڈنبرا میں ایک رات قیام کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا جس کو اگر مدِ نظر رکھا جاتا تو ہمارے پاس دو تین مقامات کی سیر سے زیادہ وقت نہ تھا ۔ میں نے ایڈنبرا کے قلعے، شاہی باغ اور کریمنڈ ساحل کا انتخاب کیا اور اس کی ساری تفصیلات نوٹ کر لیں ۔ اب آصف کو اوران تفصیلات کو ایک دوسرے کے آمنے سامنے لانا رہ گیا تھا تاکہ حتمی تفصیلات کو کاغذ پر لکھ لیا جائے اور دورانِ سفر اپنے ساتھ لے جایا جائے ۔ انہوں نے تینوں ہوٹلوں میں سے The point Hotel کا انتخاب کیا کیونکہ وہ ہر لحاظ سے ہماری توقعات پر پورا اترتا تھا۔ ریستوران کے لئے ''کباب محل'' کو چُنا گیا کیونکہ ان کی ویب سائٹ پر موجود مینیو میں کافی ورائٹی تھی اور سب کچھ حلال تھا ۔ میرے منتخب کئے ہوئے تینوں تفریحی مقامات ان کو پسند آ گئے ۔ اب تمام معلومات کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کر لیا گیا اور اس کے ساتھ انہوں نے ہوٹل کی آن لائن بکنگ بھی کروا دی۔ تحریری کام مکمل ہو چکا تھا جبکہ صرف ایڈنبرا کی سیر کے لئے جانے کا انتظار دن بدن زور پکڑتا جا رہا تھا۔

ایڈنبرا

ایڈنبرا اسکاٹ لینڈ کا دارالحکومت اور دوسرا بڑا شہر ہونے کے ساتھ ساتھ مملکت متحدہ (United Kingdom) کا ساتواں گنجان آباد شہر بھی ہے ۔ ایڈنبرا اسکاٹ لینڈ کے جنوب مشرقی حصے میں واقع ہے ۔ اس کا مشرقی ساحل شمالی سمندر کے بے انتہا قریب ہونے کی وجہ سے ٹھنڈی یخ ہواؤں کے زیر اثر رہتا ہے ۔

ایڈنبرا کی تاریخ کے مطابق یہاں پر لوگ تانبے کے دور میں رہائش پذیر ہوئے ۔ ۱۲۰۳ء میں شاہ جیمز چہارم نے عنانِ اقتدار سنبھالی تو تمام بادشاہوں کو یکجا کر کے ''متحدہ بادشاہت'' کا نام دیا ۔ اس نے اسکاٹ لینڈ کے حکومتی ایوان کو ایڈنبرا میں قائم کیا اور اسکاٹ لینڈ ایک آزاد ریاست کے طور پر پہچانا جانے لگا ۔ شاہ جیمز چہارم نے اپنی بادشاہت کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے لندن میں قدم رکھا اور ایڈنبرا کی عوام سے وعدہ کیا کہ ہر تین سال بعد وہ ایڈنبرا کا دورہ کیا کرے گا مگر صرف ایک بار ۱۶۱۷ء میں ایڈنبرا آیا ۔ تیسری برطانوی خانہ جنگی کے بعد دولتِ مشترکہ کی افواج نے ایڈنبرا پر قبضہ کر لیا ۔ انیسویں صدی میں گلاسکو کی طرح یہاں بھی صنعتی انقلاب لایا گیا مگر وہ اتنی جلدی ترقی حاصل نہ کر پایا جتنی جلدی گلاسکو میں کر چکا تھا ۔ ایڈنبرا آجکل ایک بنیادی ثقافتی مرکز سمجھا جاتا ہے اور بالعموم Athens of the north کے نام سے مشہور ہے ۔

۲۰۱۰ء کی مردم شماری کے مطابق ایڈنبرا کی کل آبادی تقریباً ۵ لاکھ ہے جس میں گورے ۹۵.۹ فیصد اور ایشیائی افراد ۲.۶ فیصد جبکہ بلحاظ مذہب عیسائی ۵۴.۸ فیصد اور مسلمان ۵.۱ فیصد ہیں ۔ یہاں کا پسندیدہ کھیل فٹ بال ، رگبی اور آئس ہاکی ہے جس کے لئے ان گنت کلب موجود ہیں ۔ اس کے ساتھ ساتھ اسکاٹ لینڈ کی ٹیم بین الاقوامی سطح پر کرکٹ بھی کھیلتی ہے ۔ ایڈنبرا میں چار بڑی یونیورسٹیاں ہیں جہاں کم وبیش ایک لاکھ طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں ۔ کرنسی کے اعتبار سے یہاں بھی انگلینڈ کی طرح پاؤنڈ ہی چلتے ہیں ۔

بالآخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور ۱۴ فروری بروز پیر کا سورج پوری آب وتاب کے ساتھ طلوع ہوا جس کی کرنیں پھیلتے ہی بادلوں کے پیرہن میں چھپ گئیں اور موسم بے انتہا خوشگوار ہو گیا ۔ نمازِ فجر سے فارغ ہو کر میں نے باورچی خانے کا رُخ کیا ۔ کپڑے استری کرنے کا کام تو گزشتہ روز ہی پایۂ تکمیل تک پہنچ چکا تھا مگر بیگ میں ضروری سامان اور ساتھ لے جانے کے لئے اشیاء خوردونوش رکھنا باقی تھا ۔ ناشتے سے فارغ ہو کر میں اور آصف بیگ پیک کرنے میں مصروف ہو گئے ۔ ایک رات قیام ہونے کے باوجود اشیا کی تعداد دیکھ کر لگتا تھا جیسے قیام کی میعاد طویل ہے ۔ چونکہ آج ہماری شادی کی پہلی سالگرہ تھی چنانچہ انٹرنیٹ پر کئی مبارکباد کے پیغامات میری سہیلیوں اور بھائی کی جانب سے موصول ہوئے ۔ میری امی کا فون تو پچھلے روز ہی آ چکا تھا مگر ساس امی اور نندوں کے فون صبح صبح ہی آنے لگے ۔ سب سے بات کر کے ہم دونوں کی خوشیاں دوبالا ہو رہی تھیں ۔ آصف نے سامان گاڑی میں رکھا اور ہم نے علی الصبح اسکاٹ لینڈ کے لئے رختِ سفر باندھا ۔

ہم موٹروے کی جانب گامزن تھے جو ہمارے اندازے کے مطابق کافی قریب تھی مگر nanigabam ہمیں کسی اور راستے سے لے کر جا رہی تھی جو واقعی حسن کا نمونہ تھا ۔ایک جانب پہاڑ اور دوسری جانب آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی سبز گھاس کی چادر اوڑھے ہوئے اللہ کی بنائی ہوئی زمین ۔تقریباً ۳۰ میل کا سفر ان بل کھاتے راستوں سے طے کرنے کے بعد ہم موٹرے پر پہنچے جہاں مزید ۱۱۰ میل کا سفر باقی تھا۔ راستے میں ہونے والی ہلکی بارش رفتہ رفتہ تیز ہوتی جا رہی تھی ۔ میں نے اپنے پرس میں بسکٹ اور چاکلیٹ رکھی ہوئی تھیں جن سے وقتاً فوقتاً لطف اندوز ہوتے ہوئے ہم ارد گرد کے موسم اور سبزے سے محظوظ ہو رہے تھے ۔ دوران سفر بھی پاکستان سے کئی مبارکباد ٹیلیفون کالز موصول ہوئیں ۔ خدا خدا کرتے موٹروے سے ہماری گاڑی اتری اور حسین پہاڑوں کی وادی میں داخل ہوئی ۔ یہ کوئی ۴۰ میل کا سفر تھا۔ بل کھاتے راستے اور دیو قامت پہاڑ خدا کی قدرت کا نمونہ تھے ۔کہیں آدھا پہاڑ سبز اور آدھا بھورا تھا تو کہیں سفید ۔ ہر پہاڑ ہی انوکھا تھا ۔ کہیں بادلوں نے پہاڑوں کی چوٹیوں کو چھپا رکھا تھا اور کہیں سورج بادلوں کی اوٹ سے جھانک کر نخلستان کا منظر پیش کر رہا تھا۔ سورج اور بادلوں کی آنکھ مچولی سے قوسِ قزح نے بھی آسمان پر ڈیرہ جما لیا تھا ۔ سڑک کا ہر موڑ موڑتے ہی پہاڑوں کی نئی دنیا نظر آتی اور ہم خوبصورتی کے سحر میں لحہ بہ لحہ مزید قید ہوتے چلے جاتے میرا کیمرہ مستقل تصویر کشی اور ویڈیو بنانے میں مصروف رہا ۔ کچھ ہی دیر بعد سڑک پہاڑوں کے اختتام پر سبزے کے درمیان سے گزرنے لگی اور ہم ایڈنبرا کے مضافات سے ہوتے ہوئے شہر کے مرکز میں داخل ہوئے ۔

ایڈنبرا کی عمارات پرانی طرز پر بنی ہوئی تھیں ۔ اونچے اونچے مینار کسی پرانی تہذیب کا پتہ دے رہے تھے ۔ شاید ان عمارتوں کو جدید بنیادوں پر اس لئے بھی دوبارہ تعمیر نہ کیا گیا تھا تاکہ ایڈنبرا کی ثقافتی شناخت کو برقرار رکھا جا سکے ۔ البتہ عمارتوں کے نیچے کھلی ہوئی جدید دکانیں ترقی یافتہ دور کی عکاسی کر رہی تھیں ۔ کئی جگہ سے سڑکیں غیر ہموار تھیں جیسے آپ سولھویں یا سترہویں صدی میں سفر کر رہے ہوں اور کہیں ہموار جیسے آجکل کے جدید ممالک میں ہوتی ہیں ہم The piont Hotel کے بیرونی حصے کو تصویروں میں دیکھ چکے تھے چنانچہ عمارت کو پہچانتے ہی سامان سمیت داخل ہو گئے چیک ان کے بعد ہم کمرے میں پہنچے تو گھڑی پر چار بج کر تیس منٹ تھے جتنی دیر آصف نے گاڑی کو پارکنگ میں لگایا، میں نے خود کو فریش کر لیا۔ ساڑھے چار سے پانچ گھنٹے کی مسافت کے بعد ہم بہت تھک چکے تھے مگر چونکہ وقت کم تھا اور سیر گاہوں پر جانا بھی اہم تھا چنانچہ ہم نے پانچ بجے کے قریب گاڑی کا رُخ شاہی باغات (Royal gardens) کی جانب موڑا ۔ وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ باغ بند ہونے والا ہے اور ہمارے پاس وقت تھوڑا ہے ۔

شاہی باغات (Royal Gardens)

یہ باغات ۱۶۷۰ء میں اسکاٹ لینڈ کے پہلے باغ کے طور پر قائم کئے گئے ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اسکاٹ لینڈ میں خانہ جنگی پورے عروج پر تھی ۔ آج کل یہ باغ دنیا کا دوسرا بڑا

باغ تصور کیا جاتا ہے جہاں مختلف اقسام کے پودے موجود ہیں انیسویں صدی سے لوگ اس باغ کی مالی معاونت کررہے تھے مگر اب اس کو Scottish governments Rural and environmental research and analysis(RERAD) نے سپانسر کردیا ہے۔

یہ باغ پہلا عظیم سائنسی ادارہ تصور کیا جاسکتا ہے جہاں پودوں پر تحقیق کے ساتھ ساتھ ان کے تعلق، تشکیل، عملِ تحفظ اور حیاتیات کی وضاحت کی جاتی ہے۔۷۰ ایکڑ پر محیط یہ خوبصورت مناظر سے مزین شاہی باغ City center سے ایک میل کے فاصلے پر جنت کا نظارہ پیش کرتا ہے۔ چاہے کوئی حصولِ علم کے لئے یہاں آئے یا متجسس سیاح کے طور پر، اسے اس باغ میں اپنی قوتِ متخیلہ سے بڑھ کر حُسن نظر آتا ہے۔

یہ باغ ۲۵ دسمبر اور یکم جنوری کے علاوہ ہر رزوز سیاحوں کی آمد کے لئے کھلا رہتا ہے۔ نہ صرف آپ یہاں کے مناظر سے لطف اندوز ہوسکتے ہیں بلکہ یہاں کھانے پینے کیلئے ریستوران اور کیفے بھی دستیاب ہیں۔قریب ہی ایک دکان ہے جہاں سے آپ تحفے، کتابیں، یادگار، بیج اور باغبانی کے اوزار لے سکتے ہیں۔ یہاں تصویر کھینچنے کی مکمل آزادی ہے چنانچہ اپنا کیمرہ ساتھ رکھنا نہ بھولئے گا۔

ابھی ہم نے باغ کے کچھ ہی حصے کو دیکھا تھا کہ شام کے سائے اپنے پر پھیلانے لگے اور مجبوراً ہمیں واپسی کے لئے خود کو تیار کرنا پڑا۔ بھوک کافی شدت سے محسوس ہورہی تھی۔ کباب محل ریسٹورنٹ کا پتہ میرے پرس میں موجود تھا ہم باغ سے فارغ ہوتے ہی کباب محل کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں چکن جلفر یزی کھا کر شادی کے ابتدائی دنوں کی یاد تازہ کی کیونکہ شادی کے بعد جس بھی ریستوران جاتے وہاں سے چکن جلفر یزی کھانا نہ بھولتے اس کے بعد گلاب جامن اور رس ملائی کھائی اور بیرونِ ملک میں پاکستان کی یاد تازہ کی۔کھانا کھا کر طبیعت ہشاش بشاش محسوس ہورہی تھی۔ مگر سفر کی تھکن اتارنا باقی تھا، اس لئے واپس ہوٹل کا رُخ کیا۔

میں نے سامان کو ترتیب دینا شروع کیا اور آصف کیمرے میں سے گزشتہ سیروں کی تصاویر نکالنے میں مصروف ہوگئے۔ ساتھ ساتھ ہم کل کی سیر کے منصوبے بھی بناتے رہے۔ اگلے روز ہمیں شاہی قلعے اور کریمنڈ ساحل پر جانا تھا۔

صبح ہوتے ہی ہم نے سامان سمیٹا اور چیک آؤٹ کرنے کے لئے تیار ہوئے۔ گھڑی ۱۱ بجا رہی تھی۔ میں Waiting lounge میں بیٹھی رہی اور آصف گاڑی لے کر آگئے۔ سامان رکھ کر اب ہم شاہی قلعے کی جانب رواں تھے۔

شاہی قلعہ (Royal castle)

ایڈنبرا کا یہ مشہور قلعہ آتش فشاں چٹان پر تعمیر کیا گیا۔ یہ آتش فشاں آج سے ۳۵ ملین سال پہلے تک اپنا وجود رکھتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ڈیوڈ اول کے دور میں یعنی بارہویں صدی سے یہ قلعہ یہاں موجود ہے، سترہویں صدی میں یہ قلعہ عسکری مرکز (War base) بنا دیا گیا۔ انیسویں صدی میں

اس قلعے کو تاریخی یادگار کا درجہ حاصل ہو گیا۔

عظیم ہال

اس ہال کی تعمیر ۱۵۱۱ء میں ہوئی جب ۱۶۵۰ء میں oliver cromwell نے اسکاٹ لینڈ پر فوج کشی کی تو اس نے اس عظیم ہال کو جنگی بیرک میں تبدیل کر دیا۔ ۱۸۸۰ء میں ملکہ وکٹوریہ کے زمانے میں اس کے شاہی حُسن کو بحال کیا گیا۔

تاج گاہ

یہ کمرہ شاہ جیمز چہارم کی قیمتی نشانیوں کی وجہ سے مشہور ہے جہاں اس کی ۵۰ سالہ بادشاہت کا جشن منایا گیا تھا۔ یہاں پڑا ہوا تاج اور تلوار سولھویں صدی میں شاہ جیمز چہارم کے استعمال میں رہی تھی۔ یہ تاج ۱۵۴۰ء میں ایڈنبرا کے Gold smith نے سونے کو پگھلا کر اور قیمتی جواہرات کو جوڑ کر بنایا تھا۔

شاہی ایوان

یہاں پر موجود کمرے کئی صدیوں تک شہزادیوں اور ملکہ کے زیرِ استعمال رہے۔ ملکۂ اسکاٹ کے اکلوتے بیٹے جیمز کی پیدائش اسی شاہی ایوان میں ہوئی جو بعد میں شاہ جیمز چہارم کے طور پر اسکاٹ لینڈ کا حکمران رہا۔ جس کمرے میں اس کی پیدائش ہوئی وہ بھی خوبصورتی سے سجایا گیا ہے۔

سینٹ مارگریٹ کا چھوٹا گرجا

مارگریٹ ۱۰۴۵ء میں برطانیہ کے شاہی خاندان میں پیدا ہوا۔ جب نورمان (سکینڈری نیویائی وفرنگی مخلوط نسل کا فرد جس نے ۱۰۶۶ء میں انگلستان فتح کیا) نے چڑھائی کی تو مارگریٹ اسکاٹ لینڈ روانہ ہو گیا جہاں اس نے ڈنفر ملاٹن نامی لڑکی سے شادی کر لی۔ اس کا بھائی مالکولم ایک جنگجو تھا اور نورمان سے جنگ لڑ رہا تھا جبکہ مارگریٹ مذہبی ذہن رکھتا تھا۔ جب ۱۰۹۳ء میں اس کا بھائی مالکولم اور بھتیجا ایڈورڈ اس جنگ میں مارے گئے تو وہ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکا اور اسی قلعے میں وفات پا گیا۔ یہ گرجا اس کے بڑے بیٹے شاہ ڈیوڈ اول نے بنوایا۔ نہ صرف یہاں عبادت کی جاتی تھی بلکہ یہ سولھویں صدی تا اٹھارویں صدی تک بارود کا گودام بھی رہا۔

جنگی قیدیوں کی نمائش گاہ

کئی صدیوں تک یہ قلعہ قید خانے کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ اس قید خانے میں قید بعض قیدیوں کو یہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ عام مجرموں کو قلعے کے نیچے تہہ خانہ میں قید کی سزا دی جاتی۔ ان قیدیوں میں دشمنوں کے فوجی ملاح، جاسوس، غدار اور ڈاکو وغیرہ شامل ہوتے۔ ان قیدیوں کو قلعے کی پہاڑی پر لوگوں کے سامنے پھانسی دی جاتی یا جلا دیا جاتا قیدیوں میں فرانسیسی، ڈچ، ہسپانوی، آئرلینڈ یا اٹلی کے باشندے، ڈینش، پولش اور امریکی لوگ شامل ہوتے۔ کچھ قیدی بہت تخلیقی ذہنیت رکھتے تھے جن کے بنائے ہوئے آرٹ کے نمونے ابھی بھی موجود ہیں۔

مونز میگ

یہ ۵۵۰ سال پرانی بندوق دنیا کے قدیم ترین اسلحے میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کا وزن ۶۰۰۰ کلوگرام ہے اور یہ دو میل کے فاصلے تک ۱۵۰ کلوگرام وزنی پتھر پھینکنے کی استعداد رکھتی ہے۔

ایک بجے کی بندوق

یہاں پر آنے والے سیاحوں کی توجہ کا مرکز بننے والی یہ بندوق ہر روز سوائے اتوار کے قلعہ کی شمالی دیوار سے گولا داغتی ہے۔ یہ نہ سمجھئے گا کہ یہ کوئی خود کار بندوق ہے بلکہ یہاں پر موجود ایک قابل توپچی ہر روز 1 بجے یہ بندوق چلاتا ہے۔ پہلی بار یہ بندوق ۷ جون ۱۸۶۱ء کو چلائی گئی تھی اور تب سے آج تک یہ روایت جاری ہے۔ اس کا اصل مقصد اُس زمانے میں کشتیوں اور بحری جہازوں کو وقت کا سگنل دینا ہوتا تھا مگر آج کل یہ صرف ایک روایت کا روپ دھار چکی ہے۔ آصف نے بھی اس گن کے چلنے کے منظر کیکیمرے میں قلمبندی کی جو کہ ایک یادگار رہے۔

اسکاٹش جنگی قومی یادگار

یہ یادگار ۱۹۲۷ء میں پہلی جنگِ عظیم میں مارے جانے والے لوگوں کی یاد میں کھولی گئی۔ یہاں ان تمام لوگوں کے نام درج ہیں جو اس جنگ میں انتقال کر گئے اور تصویروں کی مدد سے جنگی حالات کی عکس بندی کی گئی ہے۔ اس یادگار کی سنگِ بنیاد شاہ ایڈورڈ نے ۱۴ جولائی ۱۹۲۷ء میں رکھی۔

ایڈنبرا کے خوبصورت نظارے

قلعہ کی چھت پر چڑھ کر آپ پورے ایڈنبرا کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ نہ صرف پورا شہر بلکہ جنوب کے طرف کی پہاڑیاں اور ایڈنبرا کے اردگرد پھیلا سمندر بھی اس نظارے کو چار چاند لگا دیتا ہے۔

۲ بجے یہاں سے فارغ ہوکر ہم کریمنڈ ساحل کی طرف روانہ ہوئے۔ اس ساحل تک آپ با آسانی گاڑی کے ذریعے پہنچ سکتے ہیں پاس ہی بنی ہوئی پارکنگ میں آصف نے گاڑی پارک کی۔ کھانے پینے کے لئے چپس، بسکٹ، پانی، جوس وغیرہ ایک لفافے میں ڈال کر ہم سمندر کی طرف بڑھے۔ میں نے زندگی میں پہلے کبھی ساحلِ سمندر نہ دیکھا تھا۔ پہلا موقع ہونے کی وجہ سے میں بہت خوش تھی۔ یہاں ایک کریمنڈ جزیرہ بھی موجود ہے جہاں جانے کا راستہ سمندر کے بیچوں بیچ بنائی گئی پگڈنڈی پر پیدل عبور کرنا پڑتا ہے۔ ساحل پر ٹھنڈی ہوا اتنی تیز چل رہی تھی کہ میرے اور آصف کے ہاتھ سن ہو رہے تھے۔ اگرچہ میں نے جیکٹ پہن رکھی تھی اور گرم شال بھی مگر ہوا کے جھونکے ناقابلِ برداشت حد تک سرد تھے۔

ہم نے ہمت جمع کر کے پگڈنڈی پر قدم رکھے۔ دونوں جانب سمندر تھا اور ہم دونوں ہوا کے جھونکوں کا مقابلہ کرتے ہوئے دھیان دھیان سے قدم جما کر پگڈنڈی عبور کر رہے تھے۔ جیسے جیسے ہم سمندر کے اندر جا رہے تھے ٹھنڈ بڑھتی جا رہی تھی۔ آصف نے مفلر اپنے کانوں پر لپیٹ لیا جبکہ میں نے شال اسکارف کے اوپر سر پر اوڑھ لی گو کہ ہمارا حلیہ مضحکہ خیز ہو گیا تھا مگر پھر بھی ہم سردی سے کانپتے ہوئے جزیرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہم نے پڑھ رکھا تھا کہ کبھی کبھار جب لہریں اونچی ہو جاتی ہیں تو جزیرے پر گئے لوگوں کی واپسی ناممکن ہو جاتی ہے اور انہیں رات جزیرے پر گزارنا پڑتی ہے۔ سمندر کے درمیان سنسان جزیرے پر رات گزارنے کا تصور ہی دل دہلا دینے کے لئے کافی تھا۔ اگرچہ لہریں ابھی نیچے ہی تھیں مگر ہم نے مزید طبع آزمائی کرنے سے گریز کیا اور ویڈیو بنا کر واپس لوٹ آئے۔

کریمنڈ ساحل (Cramond Beach) شمال مغربی ایڈ نبرا میں واقع ہے سٹی سنٹر سے پانچ میل کے فاصلے پر موجود یہ ساحل سیاحوں کو با آسانی اپنی طرف کھینچنے کی صلاحیت رکھتا ہے جس کی بنیادی وجہ سمندر کے درمیان رہ گزر اور جزیرہ ہے۔

واپسی کا سفر بے حد ضروری تھا کیونکہ رات کی تاریکی پھیلنے سے پہلے ہمیں ان پہاڑی راستوں کو عبور کرنا تھا جو موٹروے سے قبل آتے تھے۔ مگر بغیر کھائے پیئے نکلنے کی ہمت ہم دونوں میں نہ تھی۔ چنانچہ اب کی بار پھر کباب محل کا رُخ کیا۔چکن جلفریزی کوانجوائے کیا جو کہ واقعی یہاں بے حد مزے کی بنتی ہے۔

شام پانچ بجے کے قریب ہم نے واپسی کا سفر شروع کیا۔ وہ پہاڑ جو دن کی روشنی میں جادوئی منظر پیش کر رہے تھے شام کے سائے ڈھلتے ہی طلسم زدہ ستونوں کی مانند دکھائی دینے لگے۔ رات کے وقت ٹریفک بھی کافی حد تک کم تھی۔ ہم آیت الکرسی کا ورد کرتے ہوئے ان بل کھاتے راستوں سے گزر کر موٹروے تک پہنچے۔موٹروے کا سفر مناسب روشنی کے انتظام اور ٹریفک کی وجہ سے پُرسکون محسوس ہوا۔ اب کے دوبارہ ویران راستوں پر سے گزرنے کا وقت تھا۔ یہ میدان اور پہاڑ کا درمیان راستہ بے حد سنسان ہو چکا تھا مگر ہم اس پر قدرے حیران رہے کہ ویرانی کے اس عالم میں بھی لوگوں نے یہاں اپنے گھر بنا رکھے تھے یہ شہر روز جاتے ہیں! شاپنگ وغیرہ کا کیا کرتے ہیں؟ اتنی سنسان جگہ پر کیسے رہتے ہیں؟ ہم دونوں سوال و جواب میں مصروف تھے کہ ہمیں ایک سائن بورڈ پر بریڈفورڈ لکھا ہوا نظر آیا اور دل جلد از جلد گھر پہنچنے کو اور بھی بے قرار ہو گیا۔ جب گاڑی پارکنگ میں پارک ہوئی اور ہم سامان سمیت گھر میں داخل ہوئے تو جس دلی اطمانیت کا احساس ہوا اس کا اظہار لفظوں میں بیان کرنا بس سے باہر ہے۔

آتے ہی اٹیچی کیس کھول کر تمام چیزیں ان کے مقاما ت پر رکھیں۔ آدھی تھکن تو گھر میں قدم رکھتے ہی ہوا ہو گئی تھی۔ چیزیں سمیٹ کر اور نمازوں سے فارغ ہو کر ہم دونوں نے سکون کا سانس لیا۔ یہ سفر چاہے ایک رات اور دو دن کی مدت پر محیط تھا مگر واقعی یادگار تھا، جب سے ہم واپس آئے ہیں اکثر ہی اسکاٹ لینڈ کا یہ سفر یاد کرتے ہیں

کاش ممکن ہو کہ اِک کاغذی کشتی کی طرح
خود فراموشی کے دریا میں بہادیں یادیں

مگر شاید یہ وہ کشتی ہے جس نے ہمارے ساتھ کے اس حسین گلستان میں اک نئے پھول کا اضافہ کر دیا ہے جب بھی ہم کبھی اپنی یادوں کے باغ میں سیر کیا کریں گے یہ پھول ہمیں مزید تر و تازہ کر دے گا۔